مولانا عبدالحق چوہان رحمتہ اللہ علیہ

طبقاتِ امت

فاران کی چوٹیوں سے جب نورِ نبوت کا طلوع ہوا اور اس کی کرنوں نے اطرافِ عالم کو منور کیا تو سب سے پہلے جن سعید ارواح نے اس نور کو اپنے اندر جذب کرنے کی سبقت حاصل کی ۔ اصطلاحِ شرع کے اعتبار سے ان اوّلین نفوسِ قدسیہ کو ''صحابہؓ '' کے مقدس لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ عالم مادیات کے اعتبار سے ان نفوس کی حیثیت بالکل اسی طرح کی ہے کہ جیسا کہ آئینہ سورج کی روشنی کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی ضوافشاں انعکاسی کرنوں سے ظلمت کدہ کو بقعہ نور سے تبدیل کر دیتا ہے ۔ اس طرح یہ سعید ارواح بھی شمس نبوت سے پھوٹنے والی نورِ ہدایت کی کرنوں کو اپنے اندر جذب کر کے آنے والی امت کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوتے ۔ اس لیے حدیث میں اس مقدس جماعت کو علی الرطلاق ''نجوم ہدایہ'' فرمایا گیا ہے ۔ ان میں سے جس کا دامن بھی پکڑ لو گے ٗ ہدایت حاصل کر لو گے اور یہ اطلاق ہدایت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی زندگی مجسم دین نہ بن گئی ہو ورنہ اگر کسی گوشہ زندگی میں بھی ہدایت کی بجائے معاذ اللہ ضلالت کا شائبہ تک ہوتا تو علی الرطلاق انہیں نجوم ہدایت نہ فرمایا جاتا ۔ صحابہ کی اس مرکزی حیثیت کے اعتبار سے امت مختلف طبقات میں منقسم ہے ۔ جس وقت پیغمبر (ﷺ) نے مکہ کے اندر خدا کے باغی معاشرہ میں اپنی نبوت کا اعلان کر کے خدائے واحد کی عبادت کی طرف امت کو بلایا تو جن پاکیزہ انسانوں نے اس دعوت حق پر لبیک کہا ۔ ان لوگوں کا اس دعوت کو قبول کرنا گویا پوری دنیا سے اعلان جنگ کرنے اور خویش واقارب سے مقاطعہ کرنے کے مترادف تھا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ظلم وستم کے باعث سرزمین مکہ ان کے لیے تنگ کر دی گئی ٗ حق وصداقت کے یہ کوہِ گراں اللہ کی اس ہدایت پر اس طرح مضبوطی سے ثابت قدم رہے کہ معاشرتی مقاطعہ اور آبائی وطن سے ترک سکونت اختیار کر کے ہجرت قبول کر لی لیکن دین حق سے اعراض کرنا قبول نہ کیا ۔ ترغیب وتربیت کا کوئی حربہ بھی ان پر کامیاب نہ ہو سکا ۔ صحابہ کی اس جماعت اور طبقہ کو ''مہاجرین'' کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیات میں ان کی مدح بیان کی گئی ہے اور ایک آیت میں ان کے متعلق فرمان ربانی اس طرح ہے ۔

جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنے مالوں سے محروم کیے گئے اور اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں ۔ وہ لوگ سچے مومن ہیں ۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے ان مہاجرین کو اپنے ہاں بسایا ۔ قربانی اور ایثار کی ایسی مثال پیش کی کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے درماندہ وعاجز ہے ۔ امت کے اس طبقہ کو ''انصار'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ قرآن مجید میں

اس جماعت کی بھی مدح بیان کی گئی ہے۔ایک آیت میں ان کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے۔

جو انصار اِن مہاجرین سے پہلے ایمان لاکر دارالہجرت یعنی مدینہ میں قیام پذیر تھے' وہ محبت کرتے ہیں۔ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے ان کی طرف آتے ہیں اور جو ان مہاجرین کو دیا جاتا ہے۔ان کی اپنے دلوں میں حاجت تک محسوس نہیں کرتے اور ان کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔اگر چہ وہ خود بھی بھوکے ہوتے ہیں۔اس کے بعد قرآن مجید نے امت کا ایک تیسرا طبقہ بیان کیا ہے۔وہ یہی جو ان کے بعد آئے لیکن ان صحابہ کے لیے خداوند قدوس سے مغفرت کا طلب گار رہو۔امت کے اس تیسرے طبقہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرح کینہ نہ ہونے دیجیے۔اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

اس آیت کے مفہوم سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ایک طبقہ وہ بھی ہے جو صحابہ کے حق میں بددعا گو ہوگا اور وہ طبقہ خداوند قدوس کی رافت ورحمت سے محروم ہوگا۔قرآن مجید کی ان آیات سے جو مفہوم حاصل ہوتا ہے' وہ یہ ہے جیسے صحابہ کرام کے دو طبقے ہیں۔یعنی مہاجرین وانصار جن کی علی الاطلاق قرآن نے تقدیس بیان کی' جس سے صحابی نام کا کوئی فرد بھی خارج نہیں رہ گیا۔ایسے صحابہ کے بعد دو طبقے اور بھی قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہوتے ہیں۔ایک منطوق کلام سے وہ دعا گو اور عقیدت مند کا طبقہ اور دوسرا مفہوم کلام سے اور وہ صحابہ پر نکتہ چینی کرنے والوں کا اور ساتھ ہی یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان دو طبقات کے درمیان تیسرا کوئی طبقہ نہیں جو معتقد بھی ہو اور نکتہ چین بھی ہو انہیں مقدس اور اسلام کا معلم اوّل بھی کہتا ہو اور ان پر تنقید اور نکتہ چینی بھی کرے۔اس لیے ان آیات اور خود تعامل صحابہ اور اجماع امت سے یہ بات نیم روز کی طرح واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ صحابہ کے بارے میں کوئی طبقہ یا فرد جب دعا گو میں شامل نہیں ہوگا تو لامحالہ نکتہ چینیوں میں ہی داخل ہوگا۔خواہ اس کی تنقید نکتہ چینی اور بدگوئی کسی بھی درجہ کی ہو۔اس سے ان لوگوں کا فریب نفس اور تلبیس واضح ہو جاتی ہے جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہوئے بطور طفل تسلی کے یہ کہتے ہیں کہ ہم احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے اعمال پر تنقید کرتے ہیں۔جبکہ قرآنی آیات اور اصول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کا احترام اور ان کی ذوات مقدسہ پر تنقید کرنا ایسے دو متضاد کام ہیں کہ ان کا اجتماع ناممکن ہے۔

☆......☆......☆